تقریر بابت قرآن کریم
وقت 5-7 منٹ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

"مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ"

(تقریر نمبر 2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الطَّیۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَ تَسۡبِیۡحَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ (النور:42)

یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ تمام ذَوِی العقول کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور ان ذوی العقول میں سے جو طَیۡرٌ ہیں وہ صفیں باندھ باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ان گروہوں میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا طریق معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذوی العقول کے تمام اعمال سے واقف ہے۔

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
تونے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

(درثمین)

معزز سامعین! ہم گزشتہ روز "مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ" کے معنیٰ اور تفسیر سُن آئے ہیں۔ لیکن اس اہم موضوع پر خلفائے کرام کے ارشادات طوالت کی وجہ سے بیان کرنے سے رہ گئے تھے۔ جن کو آج تقریر کا حصّہ بنایا جارہا ہے۔ آغاز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے۔ اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اسے قید رکھو گے تو وہ رہے گا ورنہ پرواز کر جاوے گا اور یہ بجز خدا کے فضل کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (الکھف:111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبّر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصّہ ہو۔ نہ بخلق ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو صرف خدا کی محبت سے وہ عمل صادر ہو۔ جب تک دوسری کسی قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔ جو لوگ خدا سے اس لئے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں ان کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا اسی دن ایمان میں بھی فرق آجاوے گا۔ اس لئے پکّا مؤمن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 102)

پھر آپ علیہ السلام ایک پرندہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ایک جانور آج کل کے موسم میں شام کے بعد مسجد مبارک کے شہ نشین احباب پر حملہ کیا کرتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر کی جاوے کہ ایک دفعہ یہ اس جگہ پکڑا جاوے پھر ہم اُسے چھوڑ ہی دیں گے مگر ایک دفعہ پکڑا جانے سے اتنا تو ضرور ہوگا کہ پھر وہ کبھی آئندہ اس جگہ اس طرح حملہ کرنے کا ارادہ نہ کرے گا۔ ہر جانور

کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کے اندر ایک خاصیّت ہے کہ جس جگہ سے اسے ایک دفعہ ٹھوکر لگتی ہے اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اس جگہ کا پھر وہ کبھی قصد نہیں کرتا مگر صرف انسان ہی ایک ہے جو باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ان پرندوں وغیرہ سے بھی گرا ہوا ہے کہ جہاں سے اُسے مصائب پہنچتے ہیں اور ضرر اور نقصان اُٹھاتا ہے اس کی طرف بھاگنے کا حریص ہوتا ہے ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس نافرمانی کو ترک کرتا ہے بلکہ جذباتِ نفس کا مطیع ہو کر پھر اسی کام کو کرنے لگتا ہے جس سے ایک بار ٹھوکر کھا چکا ہو"

(الحکم جلد 7 نمبر 14 صفحہ 7 مورخہ 17/اپریل 1903ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"مؤمن کو چاہئے کہ بڑا بلند پرواز ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو کیونکہ ساری بلند پروازگیوں کی انتہاء اللہ کی رضا ہے۔ بلند پروازگی کے بالمقابل مؤمن کا ایک نزول بھی ہوتا ہے اور یہ نزول قرآن شریف میں شفقت علی خلق اللہ کہلاتا ہے۔ اس نزول میں بھی ایک بلند پروازگی ہوتی ہے اور مؤمن بڑا ہی مستقل مزاج ہوتا ہے۔"

(ارشادات نور جلد 1 صفحہ 143)

سامعین! حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ طَیْرٌ کی مختلف اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا طَیْرٌ کے متعلق قرآن کریم میں کوئی اشارہ پایا جاتا ہے یا نہیں؟ سو جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ طَیْرٌ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ یعنی زمین پر چلنے والے جانور اور دونوں پَروں سے اُڑنے والے پرندے سب تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں۔ اب یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے پرندوں کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کہ وہ پرندے جو اپنے دونوں پَروں کے ساتھ اُڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا پرندہ بھی ہوتا ہے جو پَروں سے نہیں اُڑتا۔ پھر اس سے بھی واضح آیت ہمیں ایک اور ملتی ہے جس سے صاف طور پر پتہ لگتا ہے کہ واقعہ میں طَیْرٌ کسی اور چیز کا نام ہے۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ تمام ذوِی العقول کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور ان ذوی العقول میں سے جو طَیْرٌ ہیں وہ صفیں باندھ باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ان گروہوں میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا طریق معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذوی العقول کے تمام اعمال سے واقف ہے۔ یہاں تین دلیلیں اس بات کی موجود ہیں کہ طَیْرٌ سے مراد پرندے نہیں۔ اوّل: يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ میں سے اللہ تعالیٰ نے طَیْرٌ کیوں نکال ڈالے اور ان کا الگ کیوں ذکر کیا؟ پھر مَن کا لفظ ہمیشہ ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ غیر ذوی العقول کے لئے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صرف طَیْرٌ کو کیوں نکالا؟ جنّات اور دوسری مخلوق کا الگ ذکر کیوں نہیں کیا؟ کیا اس سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ طَیْرٌ کوئی الگ چیز ہے؟ پھر فرماتا ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے۔ اب سارے قرآن میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ پرندے بھی نمازیں پڑھا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خالی تسبیح ہی نہیں کرتے بلکہ انہیں نماز کا بھی علم ہے اور وہ صفیں باندھ باندھ کر نمازیں پڑھتے ہیں۔ آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ اور يَفْعَلُوْنَ کا صیغہ پھر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ آخر تم نے کبھی ایسے طَیْرٌ دیکھے ہیں جو صفیں باندھ باندھ کر نمازیں پڑھتے ہوں؟ ایسے طَیْرٌ تو دنیا میں صرف مسلمان ہی ہیں اور کوئی نہیں۔ پس مَنْ کا استعمال كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ کا استعمال اور وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ کا ذکر بتا رہا ہے کہ اس میں انسانوں کا ہی ذکر ہے خصوصاً ان مؤمنوں کا جو باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں۔

مؤمنوں کو طَیْرٌ کیوں کہا گیا؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر طَیْرٌ سے مراد اس جگہ مؤمن ہی ہیں تو پھر انہیں طَیْرٌ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی اعمال کا جو نتیجہ ہو، اُسے عربی میں طائر کہتے ہیں اور اس کا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں فرماتا ہے۔ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی جب اُن کو کوئی خوشی پہنچتی۔ ان پر خوشحالی کا دور آتا ہے تو کہتے ہیں یہ ہمارا حق ہے اور جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں موسیٰ اور اُس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ سنو! اُن کا پرندہ یعنی اُن کے وہ اعمال جنہیں

وہ بجالاتے ہیں خدا کے پاس موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے عذاب آیا اور خدا کہتا ہے کہ ان کا پرندہ ہمارے پاس موجود ہے۔ بظاہر اس کا آپس میں چونکہ کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا اس لئے لغت والے لکھتے ہیں کہ طائر کے ایک معنی انسانی اعمال کے بھی ہیں۔ چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں۔ وَكُلَّ إِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهٖ کے معنی ہیں عَمَلَهُ الَّذِي طَارَ عَنْهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ یعنی اسی جگہ طائر سے مراد ہر اچھا یا بُرا عمل ہے جو انسان سے سرزد ہوتا اور پھر اُڑ کر نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اقرب میں بھی طائر کے ایک معنی عَمَلُهُ الَّذِي قَلَّدَهُ طَارَ عَنْهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ کے لکھے ہیں یعنی انسانی عمل خواہ اچھا ہو یا بُرا۔ پھر فرماتا ہے قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰئِرُكُمْ عِنْدَ اللهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ جب ثمود کے پاس حضرت صالح علیہ السلام آئے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے بُرے اعمال کی نحوست کی وجہ سے ہم تباہ ہوئے ہیں جیسے آج کل کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی نحوست کی وجہ سے ہی طاعون اور دوسری وبائیں آئیں۔
فرماتا ہے ان کے نبی نے ان کو جواب دیا کہ طَائِرُكُمْ عِنْدَ الله تمہارا طائر تو اللہ کے پاس ہے بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ایک ایسی قوم ہو جسے آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ پھر تین رسولوں کا سورۃ یٰسٓ میں ذکر کر کے فرماتا ہے قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ. قَالُوا طَائِرُكُمْ مَّعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ یعنی جب وہ مصلح اور رسول ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری وجہ سے بڑی تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں اور تمہارا آنا ہم منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ انہوں نے کہا تمہارا پرندہ تو تمہارے ساتھ ہے یعنی تم جہاں بھی ہو گے تمہارے اعمال بد کا نتیجہ تم ہی کو تباہ کرے گا ہمیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور کیا تم یہ بات اس لئے کہتے ہو کہ ہم تمہیں اچھے کام یاد دلاتے ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ تم حد سے گزرنے والی قوم ہو اس لئے تم اپنے اعمال کی ضرور سزا پاؤ گے۔ اس جگہ بھی طائر کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قوت عملیہ اور نتیجہ عمل کے معنوں میں ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے استعمال کی حقیقت کیا ہے اور اس کی انسان کے ساتھ نسبت کیا ہے؟ سو اس کے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں سورۃ بنی اسرائیل میں ایک آیت نظر آتی ہے جو ہمیں اس مضمون کے بہت زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یعنی ہم نے ہر انسان کے ساتھ ایک پرندہ اُس کی گردن کے نیچے باندھا ہوا ہے اور ہم قیامت کے دن اُس کے اعمال نامہ کو اُس کے سامنے لائیں گے جسے وہ بالکل کُھلا ہوا پائے گا اور اُسے کہا جائے گا اسے پڑھ کر دیکھ لے اور اپنی نیکی بدی کا آپ حساب کر لے کیونکہ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے اور یاد رکھو کہ جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے لئے پاتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے اس کا نقصان بھی اُسی کو ہوتا ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا اور ہم اُس وقت تک لوگوں کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ اُن کی طرف کوئی رسول مبعوث نہ کر لیں۔ یہاں قرآن نے طائر کے نہایت لطیف معنی کئے ہیں اور بتایا ہے کہ ہر انسان کی گردن کے نیچے اُس کا پرندہ بندھا ہوا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ سو جب ہمیں خدا تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ یہ پرندہ ہر انسان کی گردن کے نیچے ہے تو ہمیں یہ تو نظر آ رہا ہے کہ کوئی پرندہ گردن کے نیچے نہیں ہوتا۔ پس صاف معلوم ہوا کہ اس پرندے سے مراد کوئی اور چیز ہے اور وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ قوّت عمل یا نتیجہ عمل کا نام خدا تعالیٰ نے طائر رکھا ہے۔
پس جس قسم کے بھی انسان اعمال بجالاتا ہے اُن کی پرندے والی شکل بنتی چلی جاتی ہے۔ اگر تو انسان نیک اعمال بجالاتا ہے تو وہ انسان کو آسمان روحانیت کی طرف اُڑا کر لے جاتے ہیں جیسے ہوائی جہاز فضائے آسمانی میں اُڑا کر لے جاتا ہے اور اگر اعمال بُرے ہونگے تو لازماً پرندہ بھی کمزور ہو گا اور انسان بجائے اُوپر اُڑنے کے نیچے کی طرف گرے گا۔ اب قرآن کریم ایک طرف تو یہ مضمون بیان کرتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کے ساتھ ایک طائر باندھ رکھا ہے اگر وہ اچھے عمل کرے گا تو وہ طائر اسے اُوپر اُڑا کر لے جائے گا اور اگر بُرے اعمال کرے گا تو وہ اُسے نیچے گرا دے گا اور دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرماتے ہیں کہ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ہے کہ ہر انسان کو خدا تعالیٰ نے فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا ہے پھر ماں باپ اُسے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا دیتے ہیں گویا انسان میں اُڑنے کی طاقت موجود ہے اور اُسے پرواز کے پَر عطا کئے گئے ہیں۔ یہی مضمون كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اُس کا پرندہ بھی اُس کے ساتھ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ پھر بعض ماں باپ تو اُس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور بعض جو بچ جاتے ہیں اُن کے لئے پرواز کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور عمل نیک کی وجہ سے اُن کا طائر یعنی فطرتی مادہ سعادت ترقی کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ فاطر میں فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو ایسی حالت

میں رسول بنا کر بھیجنے والا ہے جب کہ کبھی تو اُن کے دو دو پَر ہوتے ہیں کبھی تین تین اور کبھی چار چار۔ پھر وہ انسانوں کی طرف آتا ہے اور فرماتا ہے۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ ؕ الَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُ فرماتا ہے تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ مختلف فرشتوں کی ترقی کے لئے ہم نے کئی کئی پر بنائے ہوئے ہیں مگر اے انسانو! تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ تمہارے لئے بھی ترقی کے مواقع موجود ہیں بلکہ اگر تم چاہو تو فرشتوں سے بھی آگے بڑھ سکتے ہو۔ پس تم میں سے جو کوئی عزت حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ تمام عزّت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اُس کی طرف سچی اور پاکیزہ روحیں بلند ہوتی ہیں۔ اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ یعنی خدا کا کلام جن کو میسّر ہو وہ ترقی کر جاتے ہیں مگر خالی کلام نہیں بلکہ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ اعمال صالحہ کا اُسے سہارا چاہئے۔ گویا اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ ایک پرندہ ہے مگر وہ اکیلا نہیں اُڑ سکتا بلکہ اعمال صالحہ کی مدد سے صعود کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے دو پَر بن جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ آسمان روحانیت کی طرف پرواز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ پرندے کی دو خاصیّتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اونچا جاتا ہے یعنی فضا میں اُڑتا ہے دوسرے یہ کہ اُس کا آشیانہ ہمیشہ اونچا ہوتا ہے۔ جو پرندے آشیانوں میں رہتے ہیں وہ درختوں کی ٹہنیوں پر آشیانہ بناتے ہیں اور جو بغیر آشیانے کے رہتے ہیں وہ بھی درخت پر بسیرا کرتے ہیں نیچے نہیں بیٹھتے۔ اب یہی دو خاصیّتیں قرآن کریم میں مؤمنوں کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اے مؤمنو! جب تمہیں کہا جائے کہ اٹھو! تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوا کرو اور نبی یا اُس کے خلیفہ کی آواز پر دوڑ پڑا کرو کیونکہ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو تم میں سے مؤمن ہیں اور علم حقیقی رکھنے والے ہیں اونچا کر دے گا اور انہیں درجات میں بڑھا دے گا۔ گویا اوپر اڑنے کی خاصیت کا مؤمنوں کے تعلق میں ذکر آ گیا۔ دوسری خاصیت یہ تھی کہ پرندہ ہمیشہ اپنا آشیانہ اونچا بناتا ہے اس کا بھی مؤمنوں میں پایا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یہ نور کچھ گھروں میں ہے جن کے متعلق ہمارا حکم ہے کہ انہیں اونچا کر دیا جائے۔ ان گھروں میں خدا کا نام لیا جاتا ہے اور صبح و شام اس کی تسبیح کی جاتی ہے مگر فرماتا ہے رِجَال ہماری مراد گھروں سے نہیں بلکہ آدمیوں کو اونچا کرنے سے ہے ایسے آدمیوں کو جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ بیع۔ گویا پرندے کی جو دو خاصیّتیں تھیں ان دونوں کا مؤمنوں کے اندر پایا جانا بھی بیان کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ عملِ صالح مؤمن کو اڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ جب کوئی مؤمن مرتا ہے تو اُس کی روح کو فرشتے آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دروازے کھول دو ایک مؤمن کی روح آتی ہے مگر جب کافر مرتا ہے تو اُس کی روح اُٹھائی نہیں جاتی بلکہ نیچے پھینکی جاتی ہے۔ غرض طَیْرٌ سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی روحیں ہیں جو دین کے لئے ہر قسم کی بلندیوں پر چڑھنے کے لئے تیار رہتی ہیں وہ مشکلات کی پرواہ نہیں کرتیں اور نہ مصائب سے گھبراتی ہیں بلکہ ہر قسم کی قربانیوں کے لئے آمادہ اور تیار رہتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے جنگ بدر کے موقع پر کہا۔ یا رسول اللہ! آپ حکم دیجیے ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور ذرا بھی ہمارے اندر ہچکچاہٹ پیدا نہیں ہوگی کہ حضور نے یہ حکم کیوں دیا؟ گویا مؤمن کو پرندہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اُن قابلیتوں کا ذکر کیا ہے جو مؤمنوں میں پائی جاتی ہے اور بتایا ہے کہ وہ سِفلی زندگی کی بجائے علوی زندگی اختیار کرتے اور نیچے جھکنے کی بجائے اُوپر کی طرف پرواز کرتے ہیں۔"

(فضائل القرآن صفحہ 406-412)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"جن لوگوں کے اندر نفاق ہوتا ہے ان کے دل کے اندر ایک چھوٹی سی رگ ہوتی ہے جو دھڑکتی رہتی اور موٹی ہوتی رہتی ہے۔ وہ اس کے کان میں کہتی رہتی ہے کہ تو بڑا آدمی ہے تُو نے بہت قربانیاں کی ہیں مگر تیری قدر نہیں کی جاتی۔ مگر مؤمن کے اندر ایک رگ ہوتی ہے۔ جو اُسے کہتی رہتی ہے کہ دیکھ تُو کتنا ذلیل تھا، کمزور تھا، بے سرو سامان تھا مگر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل ہے کہ اُس نے تجھے بھی خدمت کا موقع دے دیا اور جب لوگ اُسے آگے کرتے ہیں تو وہ شرمندہ ہو کر جُھک جاتا اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہی کیا جو کچھ کیا یہ میرا کام نہیں ہے۔ پھر لوگ مجھے کیوں آگے کرتے ہیں، مَیں نے تو کوئی کام نہیں کیا۔ پس مؤمن اور منافق میں نمایاں فرق یہی ہوتا ہے ورنہ منافق کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔ منافق اگر کوئی کام کرتا ہے تو اُسے خیال ہوتا ہے کہ میری قدر ہونی چاہیے مگر مؤمن کوئی کام کرے تو اس کی ندامت بڑھتی اور شرمندگی ترقی کرتی ہے۔ وہ جُوں جُوں اُونچا ہوتا ہے خدا کا جلال اسے زیادہ نظر آتا ہے مگر منافق اپنے آپ کو بڑا اور خدا کا جلال کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ منافق اور مؤمن کی

مثال یوں سمجھ لو کہ دو شخص ہوائی جہاز میں بیٹھے ہیں۔ مؤمن اونچا ہوتا جاتا ہے اور اسے سورج بڑا اور زمین چھوٹی نظر آتی ہے مگر منافق نیچا ہوتا جاتا اور اسے سورج چھوٹا اور زمین بڑی نظر آتی ہے۔ بس یہی فرق دونوں میں ہوتا ہے۔ ورنہ نمازیں منافق بھی پڑھتا ہے اور مؤمن بھی۔ روزے دونوں رکھتے ہیں، حج دونوں کرتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت دونوں کرتے ہیں، صدقہ و خیرات بھی دونوں کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ منافق کے اندر بڑائی اور کبر ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے مَیں ہی بڑا ہوں، وہ اپنی عزت چاہتا ہے۔ لیکن مؤمن خدا کی عزت چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی منافق کی نظروں میں ہی اس کے نفس کو بڑا اور مؤمن کی نگاہ میں اس کے نفس کو چھوٹا کر کے دکھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان روشنی ہے اور نفس ایک سیاہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل پر ایک سیاہ داغ ہوتا ہے جو شخص نیک کام کرے اُس کی سیاہی گھٹتی اور سفیدی بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ سارا دل اُس کا سفید ہو جاتا ہے۔ لیکن جو ریاء سے کام لیتا ہے اور کبر پسند ہوتا ہے، اُس کے دل کی سفیدی کم ہوتی اور سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ اس کا تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تم جو منافق نہیں ہو یہ مت سمجھو کہ تم نِفاق کے خطرہ سے محفوظ ہو۔ مسلمانوں پر زوال اِسی وجہ سے آیا کہ ان میں کروڑوں منافق بن گئے۔ وہ اسلام کا دعویٰ تو بے شک کرتے تھے مگر حقیقی محبت اسلام باقی نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے نفسوں کو مقدّم کرنے لگے اور اُن کے دلوں میں عُجب اور کبر آ گیا۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو خواہ کتنا بڑا کیوں نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں"

(خطباتِ محمود جلد 18 صفحہ 119-120)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ایک اَور موقع پر فرماتے ہیں۔

"عربی کی ایک مثل ہے۔ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ کہ جس طرح تم کسی سے معاملہ کرو گے تمہارے ساتھ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ یہ مثل درحقیقت بہت سی روحانی باتوں پر مشتمل ہے اور ایسے منہ سے نکلی ہوئی ہے جس کے پیچھے ایک سوچنے والا دماغ اور ایک غور کرنے والی طبیعت تھی۔ تمام قانون قدرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال عجیب پیرایہ میں اس کے گرد چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ وابستہ بھی نہیں ہوتے مگر اس سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ ان کی مثال پرندہ کی اور سدھے ہوئے پرندہ کی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح سدھا پرندہ انسان سے جدا ہوتا ہے اور بظاہر جدا نظر آتا ہے لیکن آقا کی آواز پر پھر اس کے پاس آ جاتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال کی حالت ہوتی ہے۔ لوگ باز اور شکرے پالتے ہیں اور ان کو شکار کے پیچھے چھوڑتے ہیں پھر انہیں آواز دیتے ہیں تو وہ ان کے پاس آ جاتے ہیں۔ کبوتروں کو لوگ پالتے ہیں کبوتر اڑ کر دور نکل جاتے ہیں پھر جب آقا آواز دیتا ہے تو اس کے پاس آ جاتے ہیں۔ پس جس طرح پرندہ ایک قسم کی وحشت بھی رکھتا ہے اور باوجود اس کے انسان کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد بھی رکھتا ہے بعینہٖ اسی طرح انسان کے اعمال کی حالت ہے۔ حیوانوں کو بھی لوگ پالتے ہیں۔ بلّی کتّے اور دوسرے چوپاؤں میں یہ مادّہ ہے کہ ان کی وحشت بڑی حد تک دور ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کتّا پالتا ہے۔ کتّا بھی اس سے جدا ہوتا ہے مگر وہ جدا ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیٹا باپ سے جدا ہوتا ہے لیکن پرندوں میں وحشت باقی رہتی ہے وہ کبھی چوپاؤں کی طرح ہِل نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اور قرآن میں اس محاورہ کو استعمال کیا گیا ہے اور **انسان کے اعمال کو طائر کہا گیا ہے۔** بعض نے اس کی یہ وجہ سمجھی کہ جو عمل انسان کرتا ہے وہ اڑ جاتا ہے اس لئے انسانی اعمال کو طائر کہا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ اگر انسان جو عمل کرے وہ اڑ جائے تو اس میں اس کا کیا حرج ہے۔ اس طرح تو وہ فائدہ میں رہے گا کہ کسی بات کے متعلق اس سے باز پرس نہ ہو گی۔ میرے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال میں بھی ایک قسم کی وحشت پائی جاتی ہے۔ عمل اڑتا ہے مگر آواز پر پھر آ جاتا ہے۔ ایک انسان جب اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کرتا ہے اپنی بداعمالیوں پر اظہار ندامت کرتا ہے آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرتا ہے تو وہ اعمال اس سے جدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن دو، چار، دس، بیس سال تک توبہ پر وہ قائم رہتا ہے اور پھر اس پر ابتلاء آ جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ نافرمانی آواز ہوتی ہے جس پر اس کے وہ پہلے اعمال پھر اس کے پاس آ جاتے اور اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ یہی نہیں کہ توبہ توڑنے کے بعد جو اعمال کرے گا وہ اس کے نام لکھے جائیں گے بلکہ توبہ کرتے وقت جو اعمال اس نے کئے تھے وہ بھی لکھے جائیں گے۔ مثلاً ایک شخص بیس سال کی عمر تک مسلمان ہوتا ہے اور پچاس سال کی عمر تک مسلمان رہتا ہے اس کے بعد کافر ہو جاتا ہے تو اس کے نام وہ اعمال بھی لکھے جائیں گے جو اس نے مسلمان ہونے سے پہلے کئے تھے کیونکہ جب اس نے اپنے کفر سے اعمال کو بلایا تو وہ فوراً اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں یہی حال اعمال کا ہوتا ہے۔ ایک شخص چالیس پچاس سال مؤمن رہتا ہے پھر اسے ٹھوکر لگتی ہے اور کافر ہو جاتا ہے تو یہی نہیں کہ اس کے مؤمن ہونے کی حالت کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اگر وہ اپنی زندگی کے آخری سال کافر ہو جاتا ہے تو وہ کافر ہی سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی ساری عمر کافر رہتا ہے۔ لیکن زندگی کے آخری سال میں مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔ غرض اعمال خواہ بد ہوں یا نیک ان کی مثال سدھے ہوئے پرندہ کی سی ہوتی ہے جو اڑ کر دور چلا جاتا ہے مگر پھر آواز دینے پر پاس آ جاتا ہے اسی طرح اعمال خواہ بد ہوں یا نیک انسان کے تغیّر کے ساتھ اڑ جاتے ہیں اور تغیّر کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر کفر کے پرندے ہوں تو جب کوئی شخص کفر کی آواز اٹھاتا ہے وہ اس کے پاس جمع

ہو جاتے ہیں اور اگر ایمان کے پرندے ہوں تو جب ایمان کی آواز اٹھاتا ہے اس کے پاس آجاتے ہیں۔ پس اعمالِ انسانی انسان کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں اور عجیب عجیب اثرات ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی مثال جنّات کی سمجھو، پرندہ بھی جنّات میں سے ہے۔ کیونکہ چھوٹا ہوتا ہے اور اڑتے ہوئے جب دور چلا جائے تو نظر نہیں آتا جن کے اثرات غیر معلوم طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ماں باپ جھوٹ بولتے ہیں آگے ان کی اولاد جھوٹ بولنے لگ جاتی ہے۔ لوگ اپنی اولاد کو جھوٹ سکھاتے نہیں بلکہ جھوٹ بولنے سے روکتے ہیں مگر باوجود اس کے بچے جھوٹ بولنا سیکھ لیتے ہیں کیونکہ انسانوں کو ان کے اعمال چاروں طرف سے گھیرے ہوتے ہیں اور ان کے اثرات ان کے بچوں پر بھی پڑتے ہیں۔ جو ماں باپ چوری کرتے ہیں ان کے بچوں میں بھی چوری کرنے کی عادت پائی جاتی ہے وہ ماں باپ جو گالی گلوچ کرتے ہیں ان کے بچے بھی گالیاں دینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ایک گندی گالیاں دینے والا کہتا ہے مَیں نے فلاں کی خوب خبر لی حالانکہ جسے گالیاں دیتا ہے اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کیا کہا گیا اور اگر سامنے ہوتا ہے تو بھی اس کا کیا بگڑ جاتا ہے۔ مگر گالیاں دینے والا اپنے آپ کو ذبح کر لیتا ہے کیونکہ اس کی اولاد میں بدزبانی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔“

(خطبات محمود جلد 11 صفحہ 380-382)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ہماری موجودہ مثال اُن کمزور پرندوں کی سی ہے جو دریا کے کسی خشک حصّہ میں ستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور شکاری جو اُن کی تاک میں لگا ہوا ہوتا ہے اُن پر فائر کر دیتا ہے اور وہ پرندے وہاں سے اُڑ کر ایک دوسری جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم بھی آرام سے اور اطمینان سے دنیا کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں اور فریبوں سے بالکل غافل ہو کر (کیونکہ مؤمن چونکہ خود چالاک اور فریبی نہیں ہوتا وہ دوسروں کی چالاکیوں اور فریبوں کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتا) اپنے آرام گاہ میں اطمینان اور آرام سے بیٹھے تھے اور ارادہ کر رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی اُڑ کر امریکہ جائے گا، کوئی انگلستان جائے گا، کوئی جاپان جائے گا اور دینِ اسلام کی اشاعت ان جگہوں میں کرے گا لیکن چالاک شکاری اس تاک میں تھا کہ وہ ان غافل اور سادہ لوح پرندوں پر فائر کرے چنانچہ اُس نے فائر کیا اور چاہا کہ وہ ہمیں منتشر کر دے مگر ہماری جماعت **جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں پرندہ ہی قرار دیا گیا ہے اپنے اندر ایک اجتماعی روح رکھتی تھی۔ پرندے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک پرندے وہ ہوتے ہیں** جو اجتماعی روح اپنے اندر نہیں رکھتے اور ایک پرندے وہ ہوتے ہیں جو اجتماعی روح اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی تمہیں چند فاختائیں بھی اکٹھی بیٹھی ہوئی نظر آجائیں گی، کبھی کبھی تمہیں چند چڑیاں بھی اکٹھی بیٹھی ہوئی نظر آجائیں گی مگر جب تم اُن پر فائر کرو گے تو ان میں سے کوئی مشرق کی طرف بھاگ جائے گی، کوئی مغرب کی طرف بھاگ جائے گی، کوئی شمال کی طرف بھاگ جائے گی، کوئی جنوب کی طرف بھاگ جائے گی اور کوئی ان کے درمیانی کونوں کی طرف بھاگ جائے گی اور اس فائر کے بعد صاف پتہ لگ جائے گا کہ ان کا اتحاد عارضی تھا، اُن کا اکٹھا ہونا ایک اتفاقی امر تھا مگر جب تم مثلاً مرغابی پر فائر کرتے ہو یا مثلاً قاز پر فائر کرتے ہو تو اس وقت ان کے اُٹھتے وقت تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ بھی پراگندہ ہونے لگے ہیں مگر تھوڑی سی پرواز کے بعد تھوڑے سے انتشار اور پراگندگی کے بعد تم دیکھو گے کہ وہ پھر دائیں اور بائیں سے اکٹھے ہو کر دوبارہ ایک جگہ پر آکر بیٹھ جائیں گے۔ مشرقی پنجاب سے بہت سی قومیں، بہت سے گاؤں نکلے، بہت سے شہر نکلے، بہت سے علاقے نکلے لیکن اُنہوں نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ قومی روح اپنے اندر نہیں رکھتے تھے، وہ پراگندہ ہو گئے، وہ پھیل گئے، وہ منتشر ہو گئے یہاں تک کہ بعض جگہ پر بھائی کو بھائی کا، باپ کو بیٹے کا اور ماں کو اپنی لڑکی کا بھی حال معلوم نہیں۔ صرف وہ چھوٹی سی قوم، وہ تھوڑے سے افراد جو دشمن کے تیروں کا ہمیشہ سے نشانہ بنتے چلے آئے ہیں اور جن کے متعلق کہنے والے کہتے تھے کہ دشمن کے حملہ کا ایک ریلا آنے دو پھر دیکھو گے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے جونہی حملہ ہوا یہ لوگ متفرق ہو جائیں گے، منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے۔ وہی ہیں جو آج ایک مرکز پر جمع ہیں۔ وہ کثیر التعداد آدمی جو وہاں سے نکلے تھے وہ پھیل گئے، وہ بکھر گئے، وہ پراگندہ ہو گئے مگر وہ چھوٹی سی جماعت جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ایک معمولی سا ریلا بھی آیا تو یہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جائے گی وہ مرغابیوں کی طرح اٹھی تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر اُڑی مگر پھر جمع ہوئی اور ربوہ میں آکر بیٹھ گئی۔ چنانچہ جو نظارہ آج تم دیکھ رہے ہو یہ خواہ اتنا شاندار نہیں جتنا قادیان میں ہوا کرتا تھا کیونکہ ابھی ہماری پریشانی کا زمانہ ختم نہیں ہوا لیکن اور کونسی قوم ہے جس کی حالت تمہارے جیسی ہے اور کونسی جماعت ہے جو آج اس طرح پھر جمع ہو کر ایک مقام پر بیٹھ گئی ہے۔ یقیناً اور کوئی قوم ایسی نہیں۔ پس تمہارے اس فعل نے بتا دیا کہ تمہارے اندر ایک حد تک قومی روح ضرور سرایت کر چکی ہے۔ تم اُڑے بھی، تم پراگندہ بھی ہوئے، تم منتشر بھی ہوئے مگر پھر جو تمہاری جبلّت ہے، جو تمہاری طینت

ہے، جو چیز تمہاری فطرت بن چکی ہے کہ تم ایک قوم بن کر رہتے ہو اور ایک آواز پر اکٹھے ہو جاتے ہو یہ فطرت تمہاری ظاہر ہو گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت تمہیں ہمیشہ کے لئے پراگندہ نہیں کر سکتی۔ بے شک ابھی یہ ایک بیج ہے جو دکھائی دے رہا ہے مگر یہ بیج بڑی برکت کی نشانی ہے، بڑی رحمت کی نشانی ہے اور آئندہ کے لئے بڑی امیدیں دلانے والی چیز ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ چیز اچھی بھی ہے، بہتر بھی ہے بلکہ ہمارے لئے فخر کا موجب بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہماری پیدا کردہ نہیں بلکہ ہمارے خدا ہی کی پیدا کردہ ہے اور ہم اس خوبی میں جو ہمارے اندر لوگوں کو نظر آتی ہے اپنے خدا ہی کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔"

(انوار العلوم جلد 21 صفحہ 337-339)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: تمثیل احمد)

✡✡✡✡